KitaabPoint.blogspot.com

چھپا ہوتا ہے۔ جو دیوار کا ہی لگ لگ کر بالکل کالی تو ا ہو جاتی ہے۔ اس میں تو سچ مچ کوئی جادو ہوتا ہے۔ آدمی کو باندھ لیتی ہے۔ لگتا ہے کہ دیوار نہیں ایک پورا زمانہ آپ کے سامنے کھڑا ہے۔ برسات کی اس شام اپنی حویلی کی دیوار نے مجھ پر کچھ اسی قسم کا اثر کیا تھا۔ بس جیسے دیوار نے مجھ پہ جادو کر دیا ہو۔ کتنی دیر تک اس بارش میں بھیگی اونچی کالی دیوار کو تکتا رہا۔ میں نے اپنی حیرت میں میمونہ کو بھی شریک کرنا چاہا۔ ''میمونہ دیکھ رہی ہو حویلی کی یہ دیوار کتنی کالی ہو گئی ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس نے کتنی برساتیں دیکھی ہیں۔''

میمونہ بھی میری حیرت میں شامل ہو گئی ''واقعی۔'' جیسے پہلی بار اس نے اس دیوار کو دیکھا ہو۔

مگر اس دیوار کے واسطے سے اپنی برتی ہوئی برساتوں کا ذکر کرتے کرتے کہیں یہ فقرہ میرے منہ سے نکل گیا۔ ''اب اگلی برساتیں آنے والے دیکھیں گے۔''

اس فقرے پر میمونہ نے کس قہر سے جس میں دکھ بھی شامل تھا مجھے دیکھا تھا ''کون آنے والے؟ یاں اب کسے رہنا ہے۔''

میں ایسا چپ ہوا کہ دیر تک نہ منہ سے کوئی بات نکلی نہ اس سے نظر ملانے کی ہمت ہوئی۔ وہ بھی ایک فقرہ کہہ کے گم سم ہو گئی۔ کتنی دیر تک ہم دونوں چپ اور ساکت بیٹھے رہے۔ خاموشی کے دو جزیرے ایک دوسرے سے کوسوں دور۔

وہ حویلی میرے لئے اب ایک خواب تھی۔ وہ سارا زمانہ ہی خواب و خیال ہو گیا۔ مگر وہ کالی دیوار اس روز سے میرے پیچھے لگ گئی۔ اور ''دلکشا'' کی باقیات وہ زینہ جیسے میں اس زینہ اور دیوار کے بیچ آ گیا ہوں۔ ان دو طلسمی طاقتوں نے مجھے اپنے گھیرے میں لے لیا۔ وقت اور برساتیں مل کر دیوار کو کیا سے کیا بنا دیتے ہیں سیدھی سادھی دیوار دیوار حیرت بن جاتی ہے۔ پوری عمارت ڈھے جائے اور ایک زینہ باقی رہ جائے تو پھر سیڑھیوں کے اندر سیڑھیاں بن جاتی ہیں۔ یہ سیڑھیاں اب میرے اندر تھیں' بلند ہوتی چلی جا رہی تھیں۔ اور میں..... خیر تو اب میری سمجھ میں آ رہا تھا کہ وہ دھرم شالا اپنی کاہی کھائی دیوار اور اونچے پیپل کے ساتھ کیوں ان دنوں ہمیں ایک بھید معلوم پڑتی تھی۔ دیوار اور پیپل جیسے دھرم شالا انہیں دو چیزوں سے عبارت ہو اور انہیں کے سبب بھید بنی ہو۔ دیوار اور پیپل۔ ارے..... اچانک مجھے اپنا نیم یاد آ گیا۔ اے لو اسے تو میں بھولا ہی جا رہا تھا۔ زینہ اور دیوار برحق مگر سب سے بڑی طلسمی طاقت تو حویلی کے صحن میں کھڑا اپنا وہ بزرگ نیم کا پیڑ تھا جس کی گھنی ٹہنیوں نے جھک کر اس کالی دیوار کی منڈیر کو ڈھانک لیا تھا۔ اونچا گھنا نیم کا پیڑ ہو اور کاہی لگی دیوار اور اتنی ہی کاہی لگی اس کی منڈیر ہو اور گھنی ٹہنیاں جھک کر اس منڈیر پہ چھا گئی ہوں تو جادو کا ایک پہاڑ کھڑا ہو جاتا ہے۔ عجب ہوا کہ میں اتنے زمانے بعد وہاں گیا تھا۔ حویلی کے ایک ایک کونے کو ایک ایک شئے کو حیرت سے دیکھ رہا تھا مگر اس نیم کی طرف دھیان ہی نہیں تھا۔ جیسے وہ وہاں موجود ہی نہ ہو۔ بس برکھا سے دھلی اس گھڑی میں اچانک میں پکڑا

KitaabPoint.blogspot.com

گیا۔ بس جیسے نیم نے باندھ لیا ہو۔ جیسے میں پہلی بار اسے دیکھ رہا ہوں۔ حالانکہ اس کی چھاؤں میں تو میں نے اپنی زندگی کی بہترین گھڑیاں گزاری تھیں۔ میمونہ کے ساتھ مل کر۔ اس کی ٹہنیوں میں چھپ کر۔ جیسے ہم دو پرندے ہوں' شاخوں میں چھپ کر چہک رہے ہوں۔ مگر ان دنوں تو وہ نیم ہمارے لئے کوئی بھید نہیں تھا۔ کیسا بھید' وہ تو ہم میں سے تھا۔ یا ہم اس میں سے تھے۔ اس کی ہری بھری ٹہنیوں کے بیچ دو کچی کچی ٹہنیاں' بھید تو اب بنا۔ تنے کی وہ کھکھل ایک دم سے کیا سے کیا بن گئی۔ جیسے وہ کھلتی چلی جا رہی ہے اور کہیں اس کے بیچ سے بہت گہرائی سے آواز آ رہی ہے۔ دھیرے دھیرے' دھیرے دھیرے' اور جیسے وہ میرے برابر بیٹھی ہوئی نہیں ہے۔ اس کے بیچ سے برآمد ہو گی۔ یا الٰہی چیزیں بھید کیسے بن جاتی ہیں۔ یا ہوتی ہیں' بس ہم پہ وہ کسی خاص ساعت میں منکشف ہوتی ہیں۔ آخر یہ سب کیا ہے۔ ابر کیا چیز ہے۔ ہوا کیا ہے' ہوا جب وہ ٹہنیوں کو ہلکورے دے رہی ہوتی ہے۔ اور نیم کیا چیز ہے۔ ٹہنیاں نمکولیاں کہاں سے آئی ہیں۔ اور کاہی لگی دیوار اور منڈیر۔ اگر صوفی والی ذرا سی بھی رمق مجھ میں ہوتی تو اس روز اس گھڑی میں واقعی عالم تحیر میں چلا جاتا۔ پھر ساری عمر اس طور گزرتی کہ بیٹھا ہوں اور نیم کو تک رہا ہوں۔ اور اس کاہی لگی دیوار کو۔ دیواریں تو اپنی اس دھرم شالا کی بھی بارشوں کے اثر سے کاہی کھا کھا کے بالکل کالی پڑ گئی تھیں۔ اس کی منڈیر پہ جب کوئی بندر دکھائی دیتا تو میمونہ کتنا چونکتی تھی۔ یوں بندر ہمارے آس پاس عام طور پر گھومتے پھرتے رہتے تھے۔ مگر اس منڈیر پر بیٹھا ہوا بندر خالی بندر نہیں ہوتا تھا۔ پتہ نہیں کیا بن جاتا تھا۔ ویسے بندر اور بلی دو ایسے جانور ہیں کہ اچانک کچھ سے کچھ بن جاتے ہیں' یعنی بلی خالی بلی نہیں رہتی اور بندر محض بندر نہیں رہتا۔ قدرت کے بھیدوں میں سے دو بھید بلی اور بندر ہیں۔ شنکر چلتے چلتے رکا "جواد' یہ بہت پرانا۔ مندر ہے۔ اور اس کے بارے میں ایک کہانی بھی لوگوں میں مشہور ہے۔ وہ بعد میں' پہلے مندر دیکھ لیں"

واقعی اس کی کاہی کھائی دیواریں اور منڈیریں پتہ دے رہی تھیں کہ بہت پرانا مندر ہے۔ میں شوق سے آگے بڑھا۔ مگر داخل ہوتے ہوتے ٹھٹھک گیا۔ "نہیں یار' بس دیکھ لیا۔"

"یار اندر چل کے دیکھو۔ تمہیں کوئی کچھ نہیں کہے گا۔ تم ایسے کونسے مسلمان نظر آتے ہو۔"

"نہیں یہ بات نہیں ہے۔"

کسی نہ کسی طرح میں نے بات کو ٹالا اور ہم آگے بڑھ گئے۔ پتہ ہے بات کیا تھی۔ مندر کی منڈیر پہ ایک بندر بیٹھا تھا۔ پرانے مندر کی کاہی لگی کالی منڈیر پہ خاموش بیٹھا ہوا اکیلا بندر' بس میرے اندر ڈر سما گیا۔ مجھے لگا کہ ابھی وہ منڈیر سے اترے گا اور پچھلے دونوں پیروں پہ کھڑے ہو کر مجھے سے بغل گیر ہو جائے گا۔ یا ممکن ہے' میں نے سوچا' مجھ سے آ کر بغل گیر نہ ہو' وہیں بیٹھے بیٹھے اس کی دم

KitaabPoint.blogspot.com

لمبی ہوتی چلی جائے اور میرے رستے میں آ کر اس طور پھیل جائے کہ میں نہ آگے بڑھ سکوں نہ پیچھے ہٹ سکوں۔ اور کیا خبر ہے کہ وہ بندر ہی نہ رہے' بندر کے سوا میرا مطلب ہے کہ بندر سے بڑھ کر کچھ بن جائے۔ بندر اور بلی' ان دونوں کا کوئی اعتبار نہیں کہ کون کس گھڑی کیا بن جائے۔ مگر ہماری پھوپھی اماں کچھ اور کہتی تھیں۔ کہا کرتی تھیں کہ بندر شروع میں زبندر نہیں تھے۔

''اچھا'' میں مجسم حیرت بن گیا اور میمونہ بھی ''پھوپھی اماں' پھر وہ کیا تھے۔''

''بس وہ بھی ہماری تمہاری طرح اللہ کے بندے تھے۔ مگر کم نصیبوں نے نماز پڑھنی چھوڑ دی۔ ان پہ ایسا عذاب پڑا کہ وہ بندر بن گئے۔''

میں ڈر گیا اور میمونہ بھی۔ ہم دونوں نے پنجوقتہ نماز شروع کر دی۔ مگر پھر مجھے ایک اور ہی وسوسہ ستانے لگا۔ ''پھوپھی اماں' یہ بندر جو ہوتے ہیں تو کیا وہ بندر ہی ہوتے ہیں۔''

پھوپھی اماں نے تامل کیا۔ پھر بولیں ''ویسے تو وہ بندر ہی ہووے ہیں۔ مگر کوئی کوئی بندر بخت مارا بندر نہیں بھی ہوتا۔''

''بندر نہیں ہوتا۔'' میں سکتہ میں آ گیا ''پھر کیا ہوتا ہے؟''

''بیٹے۔'' پھوپھی اماں نے سمجھایا ''بہت سوال نہیں کیا کرتے۔ یہ دنیا ایک ماجرا ہے۔ اور بہت سے بھید اللہ میاں نے اپنے پاس رکھے ہیں۔ اس کے بھید وہ ہی جانے۔''

''اماں۔'' میمونہ بیچ میں بول اٹھی۔ ''جان عالم بندر کیوں بن گیا تھا۔'' جان عالم کی کہانی پہلے تو پھوپھی اماں ہی نے سنائی تھی۔ کتاب میں بعد میں پڑھی۔ ہاں یاد آیا۔ ایک بندر جہاز میں سوار ہو گیا تھا۔ یہ کہانی پھوپھی اماں ہی نے سنائی تھی۔ یا شاید الف لیلہ میں پڑھی ہو۔ بہر حال بندر بھی دوسرے مسافروں کے ساتھ جہاز میں سوار ہو گیا۔ مگر جہاز کے ناخدا کو کچھ شک گزرا۔ اعلان کیا کہ صاحبو' کچھ ماجرا ہے کہ جہاز چل نہیں رہا۔ سو کاغذ قلم آپ کے روبرو ہے۔ یہاں سب اپنا اپنا نام رقم کریں کہ پتہ چلے کہ کون آخر کون ہے۔ سب نے اپنے اپنے نام اس کاغذ پر رقم کئے۔ جب اس بندر کی باری آئی تو اس نے بھی قلم ہاتھ میں پکڑا اپنا نام کاغذ پہ رقم کر دیا۔ جہاز میں شور پڑ گیا کہ بندر خوش رقم ہے۔ کیا حرف لکھے ہیں کہ گویا موتی جڑ دیئے ہیں ہیں۔ ایک بزرگ نے معنی خیز نظروں سے بندر کو دیکھا۔ پھر ہمسفروں کو خبردار کیا۔ ''اے عزیزان باتمیز' ہوش کے ناخن لو اور عقل پکڑو۔ اس بندر کا بندر ہونا کیا ضرور ہے۔ نہ سمجھیں تو یہ ہماری عقل کا فتور ہے۔''

''شنکر' وہ بندر والا تمہیں یاد ہے؟''

KitaabPoint.blogspot.com

''کونسا بندر والا۔''

''ارے بھول گئے۔ ایک ہی تو بندر والا تھا جو پابندی سے روز چوک میں آ کر ڈگڈگی بجاتا تھا اور بچے اس کے گرد اکٹھے ہو جاتے تھے۔''

''ہاں یاد۔''

''اور وہ بندر۔'' میں نے کہا ''جیسے بندر نہ ہو بندر والا ہو۔''

بلی کے معاملہ میں کم از کم یہ خرخشہ نہیں ہوتا۔ بلی الگ مٹی سے بنی ہے۔ سو آدمی بلی سے کتنا ہی مانوس ہو جائے اور بلی کسی آدمی سے کتنی بھی مل جائے' دونوں اپنی اپنی صورت پہ قائم رہتے ہیں۔ باقی بلیوں کی بھی اپنی اپنی لٹک ہوتی ہے۔ شیخ ابو یوسف کی بلی صوفیا کو دیکھ کر خوش ہوتی تھی اور پچھلے پنجوں پر کھڑے ہو کر ان سے گلے ملتی تھی۔ خیرل بھائی کو صندلی مردم بیزار تھی۔ مہمان کے آنے پر بور ہو جاتی۔ ملتی تھی۔ الکساہٹ سے اٹھتی' انگڑائی لیتی اور اندر چلی جاتی۔ ہاں ایک اور بلی یاد آئی۔ کہیں اس کا تذکرہ پڑھا تھا۔ نئے زمانے کی بلی' منہ میں اٹھنی دبائے بس سٹاپ پہ کھڑی تھی۔ بس آئی تو دوسری سواریوں کے ساتھ وہ بھی بس میں چڑھ گئی۔ کنڈیکٹر ٹکٹ کاٹتے کاٹتے اس کے قریب آیا تو اس نے دونوں پنجوں پہ کھڑے ہو کر اٹھنی اس کی ہتھیلی پر رکھی اور ٹکٹ لے کر دانتوں میں دبا لیا۔ اگلے سٹاپ پر جب بس رکی تو وہ وہاں اتر گئی۔ اس کے جانے کے بعد کنڈیکٹر کو خیال آیا کہ اچھا اس بلی نے بھی ٹکٹ خریدا تھا۔ حیران کہ وہ کیسی بلی تھی اور کون تھی۔ مگر بس چل پڑی تھی اور بلی دور نکل گئی تھی۔ مگر پھوپھی اماں کی کہانیوں میں تو سب ہی چرند پرند رنگنے والے اور تیرنے والے بھید بھرے دکھائی پڑتے۔ جیسے ہر جانور ایک معمہ ہو اور ہر چڑیا چونچ میں ایک بھید کا دانہ دبائے اڑتی پھر رہی ہو۔ تو بھیا ہوا یوں کہ اس روز بھی وہ ماہی گیر اپنا جال کرندی پہ پہنچا۔ پر آج اس کے جال میں لے دے کے ایک ہی مچھلی پھنسی اسی ایک مچھلی کو لے کے چلا بازار کی طرف۔ اے بھیا بازار میں جو وہ پہنچا تو اس مچھلی نے ہنسنا شروع کر دیا۔ بزاری حریان کہ لو بھلا دیکھو مچھلی ہنس رہی ہے۔

''پھوپھی اماں' مچھلی ہنس رہی تھی؟''

''بیٹا دم تو لو۔ اس میں بھی ایک بھید تھا۔ آگے چل کے کھلے گا۔ تو وہ مچھلی ہنس رہی تھی اور لوگ حریان و پریشان کہ اللہ خیر کرے' مچھلی ہنس رہی ہے۔''

دنیا کہانیوں میں کتنی بھید بھری دکھائی پڑتی تھی۔ مگر کہانیوں پہ کیا موقوف تھا ان دنوں تو اردگرد کی دنیا میں بھید ہی بھید تھے۔ مندر'

KitaabPoint.blogspot.com

بندر، برگد، پیپل، پیپل کی پھنگ پہ بیٹھا نیل کنٹھ، زمین پہ لہرکھاتا سرسراتا سانپ، سب بھید، کچھ پتہ ہی نہیں چلتا تھا کہ کون کیا ہے۔ کون اپنی جون میں ہے۔ کون جون بدل کے کچھ سے کچھ بن گیا ہے۔ جیسے سب روپ نقلی ہوں اور سب ہی نے بہروپ بھر رکھا ہو۔ اوپر سے جنموں کا چکر۔ آگے جو ہنس ہنسنی تھے اب راجہ رانی ہیں۔ اور اب جو راجکماری ہے آگے وہ..... اس شام زمانے بعد حویلی کی اس قدیم کا رنگ لئے خاموش فضا میں میمونہ کے ساتھ بیٹھے بیٹھے ذہن جانے کیسے اس طرف جا نکلا۔ ''میمونہ'' تمہیں وہ سادھو یاد ہے جو کہتا تھا کہ مجھے اپنا پچھلا جنم یاد ہے۔''

''کونسا سادھو۔'' یہ کہتے کہتے سوچ میں پڑ گئی۔ پھر بولی ''ہاں یاد ہے، مگر تمہیں اس وقت بیٹھے بیٹھے کہاں سے یہ خیال آ گیا۔''

''اسی پہ تو میں حیران ہو رہا ہوں..... عجیب بات ہے۔ کب کب کی بھولی بسری باتیں یاد آ رہی ہیں۔ جیسے..... بس جیسے مجھے بھی اپنا پچھلا جنم..... ۔''

میمونہ نے مجھے غور سے دیکھا۔ پتہ نہیں اس کی نظروں میں کیا تھا کہ میں بات بھی پوری نہ کر سکا۔ فقرہ بیچ ہی میں رہ گیا۔ بس چپ ہو گیا۔ پھر کتنی دیر تک وہ بھی چپ، میں بھی چپ۔ مگر وہ سادھو میرے تصور میں گھوم رہا تھا۔ ارد گرد لوگ اکٹھے ہیں۔ بچے، بوڑھے، عورتیں، مرد۔ بیچ میں وہ اپنی سفید جٹاؤں کے ساتھ، آنکھیں موندے، ہاتھ باندھے، منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑاتا ہوا۔ بھانت بھانت کی بولی۔ طرح طرح کے سوال۔

''مہاراج، یہ کب کی بات ہے۔''

''سجنو، یہ شتابدیوں پہلے کی بات ہے۔ اس سمے میں دوارکا میں باس کرتا تھا۔ شبھ سمے تھا۔ دوارکا میں ہن برستا تھا۔ روز بھور بھئے بھگوان جی درشن ہوتے۔ رتھ بادلوں کے سمان، جیسے ابھی ابھی آکاش سے اترا ہو۔ اس میں جتے دودھیا گھوڑے مانو دو اجلی بدلیاں ہنہناتے تو سارا دایو منڈل گونج اٹھتا۔ آگے پیچھے اپسرائیں، دھرتی سے انبر تک انہد کا راگ رچا بسا۔ اور پریم سنگیت..... ٹرر ٹرر۔ ٹیلی فون کی بہنگم آواز بے وقت کی راگنی۔ میں کہاں پہنچا ہوا تھا۔ اور ایک دم سے..... بسے جیسے آدمی ایک کیفیت میں ڈوبا ہوا بلندی پہ چڑھ رہا ہو اور ایک دم سے پاؤں رپٹے اور پھسل کر نیچے آ رہے۔ کتنی بری لگی وہ آواز اس وقت۔ ویسے اچھی کب لگی تھی۔ نئے زمانے کی بہنگم آوازوں میں ایک یہ آواز بھی ہے۔ جس نے اپنے بیڈ روم میں ٹیلی فون رکھ لیا سمجھو کہ اس نے اپنے لئے پراگندگی کا انتظام کر لیا۔ مگر اس سے مضر بھی تو نہیں۔ مجھ پر اس وقت یہ آواز کتنی گراں گزری تھی۔ مگر مجھے فون سننا پڑا۔ جس رو میں بہہ رہا تھا وہ تتر بتر ہو چکی تھی۔ اب میں اپنے پراگندہ زمانے میں تھا اور رسیور کو کان سے لگائے ایک پریشان آواز سن رہا تھا۔

KitaabPoint.blogspot.com

''بھئی میں نے تو صبح ہی فون کر کے بتا دیا تھا کہ آج میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ آ نہیں سکوں گا۔''

''مگر سر یہاں ایک کرائسس پیدا ہو گیا ہے۔ آپ کا آنا ضروری ہے۔''

''کرائسس؟..... کیسا کرائسس؟''

''سر' ہمارے ساتھ والے بینک میں ڈکیتی کی واردات ہو گئی ہے۔ چار مسلح آدمی ڈھائے باندھے آئے۔ گن مین کو انہوں نے پہلے ہی ہلہ میں ٹھنڈا کر دیا۔ اندر داخل ہو کر منیجر کو رسیوں سے باندھا۔ دوسروں کو پستول دکھا کر خوفزدہ کیا اور پستول کی نوک پر کیشیئر سے سارا کیش لے کر فرار ہو گئے۔''

''اچھا؟..... یہ تو بہت بری خبر ہے۔''

''تو سر اس وقت دفتر میں کرائسس ہے۔''

''مگر یہ تو اس بینک کا مسئلہ ہے۔ ہمارے یہاں کرائسس کس خوشی میں۔''

''بس جی' سٹاف ہڑتال کے موڈ میں ہے۔''

''اچھا۔ مگر اس وقت یاں گاڑی نہیں ہے۔''

''سر جمال دین یاں سے چل چکا ہے۔ پہنچنے والا ہو گا۔''

اور واقعی چند ہی منٹوں میں ہارون کی آواز آئی۔ جمال دین پہنچ چکا تھا۔ میں نے الٹے سیدھے کپڑے پہنے اور نکل کھڑا ہوا۔

وہاں تو واقعی کرائسس کا نقشہ تھا۔ سارے سٹاف کے تیور بگڑے ہوئے تھے۔ چپراسی سے لے کر کیشیئر تک وہ جو اجازت لے کر میرے کمرے میں داخل ہوتے تھے اور سر سر کہہ کر بات کرتے تھے دھمکیوں سے لبریز لہجہ میں بول رہے تھے۔ ''بینک ہم سے کام دبا کر لیتا ہے۔ مگر اس نے ہماری سیکیورٹی کا کیا انتظام کیا ہے۔''

''ایک گن مین سے اس زمانے میں کیا بنتا ہے۔ انہوں نے آتے ہی پہلے اسے سنگھوا لیا۔ اس کے بعد میدان صاف تھا۔''

''پھر کتنے گن مین ہونے چاہئیں کہ ہماری سیکیورٹی کی ضمانت بن سکیں۔'' میں نے سوال کیا۔

اس سوال کا کسی کے پاس کوئی واضح جواب نہیں تھا۔

''مگر برادر'' میں نے کہا ''زیادہ گن مینوں کو اپنے اوپر مسلط کر لینا' یہ بھی تو کوئی عاقبت اندیشی نہیں ہے۔ زیادہ گن مین ہوں تو وہ خود خطرہ بن جاتے ہیں۔''

KitaabPoint.blogspot.com

مگر ایسی فضا میں منطق نہیں چلتی۔ یونین کا اجلاس ہو چکا تھا جس میں بہت مطالبے کئے گئے تھے۔ اور بہت نعرے لگے تھے۔ اور پھر انہوں نے بتایا کہ ''سر' کل بینک بند رہے گا۔''

''بینک بند رہے گا۔ وہ کس خوشی میں۔''

''کل صبح گن مین کی میت اٹھے گی۔ یونین نے فیصلہ کیا ہے کہ بینک میں ہڑتال کی جائے۔ جنازے میں ہمیں شریک ہونا ہے۔''

سمجھانے بجھانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ نہ استدلال کا۔ ایسے وقت میں کون سنتا ہے اور کون قائل ہوتا ہے۔ باہر مجمع اکٹھا ہو گیا تھا اور نعرے لگ رہے تھے۔ جلتے ٹائروں کا دھواں اور نعروں کا شور اندر تک آ رہا تھا۔

''میاں' ہم مرنا چاہتے ہیں۔''

''ارے مزرا صاحب' یہ کیسا کلمہ آپ منہ سے نکالتے ہیں۔''

''اے مجو بھیا' انہیں سمجھاؤ۔'' اچھی بی کہنے لگیں ''آج کل انہیں یہی رٹ لگی ہے۔ ہم مرنا چاہتے ہیں' ہم مرنا چاہتے ہیں۔ میں سمجھاتی ہوں کہ کیوں ایسا بدشگنی کا کلمہ منہ سے نکالتے ہو۔ مگر سمجھ ہی میں نہیں آتا۔ مت جو ماری گئی ہے۔ وہی مرغے کی ایک ٹانگ کہ ہم مرنا چاہتے ہیں۔''

''ہاں میاں بہت جی لئے۔ آخر عاقبت کی بوریاں تو نہیں ڈھونی ہیں۔ اب ہمیں مرجانا چاہئے۔''

''مگر کیوں' قبلہ۔''

''میاں بات یہ ہے کہ اب ہمارا اٹھ جانا ہی اچھا ہے۔ نہ ہوں گے نہ دیکھیں گے۔'' رکے۔ پھر بولے مجو میاں' تمہاری عمر ہم سے کم ہے۔ تمہیں وہ زمانہ شاید زیادہ یاد نہ ہو۔ مگر ہمیں تو ایک ایک بات یاد ہے۔ جب میں نے یاں آ کر اپنے دفتر کا چارج لیا تو عجب بے سروسامانی کا نقشہ تھا۔ سٹاف والے کہنے لگے کہ نہ کاغذ ہیں' نہ پنسل' نہ قلم' کام کیسے شروع کریں۔ میں نے انہیں دلاسا دیا کہ بھائی ذرا دم لو۔ سب ہو جائے گا۔ دوسرے دن اپنی جیب سے تھوڑی سٹیشنری خریدی۔ پھر وہ دفتر چالو ہوا۔ آج اس دفتر کی عمارت آسمان سے باتیں کر رہی ہے۔ ہم کسی کو بتائیں تو کون یقین کرے گا۔ مگر میاں تم تو اس کے گواہ ہو۔''

''صحیح فرمایا آپ نے۔ یہی نقشہ تھا۔ شروع میں تو حالات ہی ایسے ہی تھے۔''

''تو مجو میاں میاں' ہم نے اس نگر کو بستے دیکھا ہے۔'' رکے۔ پھر بولے ''مجو میاں' ہماری دلی بھی بہت شاد آباد بستی تھی۔''

KitaabPoint.blogspot.com

''اے مجو بھیا' اس کی تو میں بھی گواہی دوں گی۔ ایسی امی جمی تھی کہ بس کیا بتاؤں۔''

''میاں' اکیلی جامع مسجد کی سیڑھیاں ایسی تھیں کہ وہاں کا ایک چکر لگا لو اور عالم کی سیر کر لو۔ اس سے آگے چاوڑی تھی۔ بالا خانوں پہ یہاں سے وہاں تک چاند کے ٹکڑے۔ مگر خیر چاوڑی تو ہمارے جوان ہوتے ہوتے ہی اجڑ گئی تھی۔''

''بھیا بس اچانک سب کچھ بدل گیا۔ ایسی پنگی پڑی' ایسی پنگی کہ بھرے گھر اجڑ گئے۔ مگر میں نے کیا کہا تھا کہ ادھر کی دینا ادھر ہو جائے بندی بائیس خواجہ کی چوکھٹ نہیں چھوڑے گی۔ پوچھ لو ان سے' میں نے تو زمین پکڑ لی تھی۔''

''ہاں تم نے تو زمین پکڑ لی تھی۔ مگر زمین نے تو تمہیں نہیں پکڑا تھا۔'' کہتے کہتے مجو بھائی سے مخاطب ہوئے۔ ''مجو میاں' زمین کی اپنی مصلحتیں ہوتی ہیں۔ اجازت دیتی ہے تو اس طرح کہ دم کے دم میں نکال باہر کرتی ہے۔ اجازت نہ دینے پہ آئے تو گڑ گڑاتے رہو منتیں کرتے رہو مجال ہے کہ ٹس سے مس' ہو جائے۔ کس بزرگ کے ملفوظات میں' میں نے پڑھا تھا' یاد نہیں۔ حافظہ بھی تو اب جواب دے رہا ہے۔ خیر واقعہ اس طرح ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ میں حوض قلغ خاں پہ بیٹھا تھا۔ قریب ہی کوئی مجذوب بیٹھا بڑبڑا رہا تھا۔ بار بار ٹھنڈا سانس بھرتا اور کہتا کہ میں نے جب اس شہر میں قدم رکھا تھا تو سونا تھا۔ اب چاندی بن چکا ہوں۔ چندے اور یہاں رہا تو جانے کیا بن جاؤں۔ حضرت فرماتے ہیں کہ میں نے اس سے پوچھا کہ اے شخص تو اس شہر میں اپنی مرضی سے رہتا ہے۔ کہا کہ نہیں' میں نے کہا کہ پھر اگر اس شہر سے تو ناخوش ہے تو یہاں سے نکل کیوں نہیں جاتا۔ تب اس مجذوب نے ٹھنڈا سانس بھرا۔ کہا کہ میں نے مرشد کے حضور جا کر شہر سے اپنی ناخوشی کا ذکر کیا تھا۔ مرشد نے پوچھا کہ کیا تو لشکر گاہ میں رہتا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ ہاں۔ تب انہوں نے فرمایا کہ اس شہر میں نہ اب امن ہے نہ آئندہ ہوگا۔ مگر ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔ تو اگر نکل سکتا ہے تو نکل جا۔ میں خوش خوش اپنی کوٹھری میں آیا۔ اپنی گدڑی سمیٹ بغل میں دابی اور چلا شہر سے باہر۔ مگر شہر سے قدم باہر نکالنے لگا تھا کہ زمین نے قدم پکڑ لئے۔ میں نے کہا' کیا کرتی ہے۔ میں نے مرشد سے شہر چھوڑنے کی اجازت لے لی ہے۔ بولی' میرے پاس حکم نہیں پہنچا ہے۔ میں تجھے کیسے اجازت دے دوں۔ پھر اگلے دن اسی طور گدڑی بغل میں داب اپنی کوٹھری سے نکلا۔ مگر پھر یہی ہوا کہ زمین نے قدم پکڑ لئے کہ ابھی حکم نہیں آیا ہے۔ اجازت کیسے دے دوں۔ اے بزرگ' پچھلے پچیس سال سے یہی ہو رہا ہے' میں روز صبدم گدڑی بغل میں داب کوٹھری سے نکلتا ہوں۔ شہر کے کنارے تک جاتا ہوں۔ مگر زمین قدم پکڑ لیتی ہے۔ کہتی ہے کہ ابھی حکم نہیں آیا ہے۔ اجازت کیسے دے دوں۔ یہ سنا کر مجذوب نے ٹھنڈا سانس بھرا اور بولا' پتہ نہیں کب حکم آئے گا اور کب مجھے زمین شہر چھوڑنے کی اجازت دے گی۔ میں نے جب اس شہر میں قدم رکھا تھا تو سونا تھا۔ اب اتنے عرصے میں چاندی بن چکا ہوں۔ چندے اور یہاں رہا تو جانے

KitaabPoint.blogspot.com

کیا بن جاؤں۔'' مرزا صاحب سنا کر چپ ہوئے۔ پھر افسردگی سے بولے'' پتہ نہیں زیادہ بدنصیب کون تھا۔ وہ جسے زمین نے نکلنے کی اجازت نہیں دی یا وہ جسے اس رنگ سے اجازت دی کہ وہ چشم زدن میں بے گھر بے در ہو گیا۔''

''اے بھیا' ہماری سنو۔'' اچھی بی بولیں'' سوئیوں والے محلہ میں کھم کی طرح گڑے بیٹھے تھے اور اچانچک ایسے اکھڑے کہ نہ گھر رہا نہ در رہا۔''

مرزا صاحب نے ٹھنڈا سانس بھرا اور بولے'' ہاں بھائی' بس یہ سمجھو کہ زمین تنگ ہو گئی۔ اس وقت ابا حضور کا یہ فرمانا یاد آیا کہ بیٹے جب دیکھو کہ زمین تنگ ہو رہی ہے تو دامن جھاڑ کے کھڑے ہو جاؤ۔ سمجھ لو کہ وہاں کا پانی اب تمہارے لئے نہیں ہے۔ تو دلی کی زمین نے بہت نہال کیا۔ ہماری پشتوں کو سنگھوائے رکھا۔ مگر اب ہماری طرف سے اس کی آنکھ پہ میل آ گیا تھا۔ سو ہم نے اسے سلام کیا کہ فقیروں نے تیرے دامن میں بہت ڈیرا کیا اب تجھے ہماری صحبت ناگوار ہے تو ڈیرا اٹھاتے ہیں اور چلتے ہیں۔ سو پھر ہم نے اس دیار کا رخ کیا۔''

''ارے بھیا' ہم نے سوچا تھا کہ اپنے ماریں گے تو چھاؤں میں تو ڈالیں گے۔ یہ کیا خبر تھی کہ اپنے غیر بن جائیں گے۔ ارے یاں پہ تو کنبہ والوں نے بھی ایسی آنکھیں پھیری ہیں کہ کوئی کٹی انگلی پہ آ کے نہ موتے۔ بھلا پوچھو' ہمیں کسی سے کیا لینا ہے۔ ارے' ہم تو وہ تھے کہ چار کو کھلا کے منہ میں نوالا رکھتے تھے اللہ سے توبہ کر کے کہتی ہوں کہ یاں پہ بھی ہم نے دیا ہی ہے' کسی سے لیا نہیں ہے۔ مگر یاں لوگ طوطا چشم ہو گئے ہیں اور غیروں کی شکایت کریں۔ ہمارے لئے تو ہماری بہو ہی غیر بن گئی۔''

''پھر تم نے دلہن صاحب کا ذکر نکال لیا۔ جانے بھی دو سعادت کی ماں۔''

''جانے کیسے دوں۔ جب سے میرا پوت مجھ سے چھٹا ہے مجھے کسی کل چین نہیں ملتا۔ مجو بھیا اور ارے جواد' تم دونوں انصاف کرو۔ اس ہفت رنگن نے ایسا میرے پوت کو شیشے میں اتارا کہ اس نے ہمیں تو یاں گولیوں کی بوچھار میں چھوڑا اور خود اسے لے کے کلفٹن میں جا کے بس گیا۔''

''نیک بخت' اس نے تو کہا تھا کہ اس علاقہ کو چھوڑ دو۔ یہ تو حجرہ ہفت بلا ہے۔ کلفٹن میں ہمارے ساتھ چل کر رہو۔ ہم نے معذرت کر لی کہ بیٹے اب تم خاندان والے بن گئے ہو۔ اطمینان سے الگ بسر کرو۔ ہم جہاں ہیں وہاں ہمیں رہنے دو۔''

''مجھے خوب پتہ ہے کہ اس نے کس طرح کہا تھا۔ اے بھیا' کچھ مت پوچھو' میری بہو ایک حرافہ ہے۔ اندر ہی اندر سے ایسی جڑ کاٹتی ہے کہ پتہ ہی نہیں چلتا۔ اوپر سے میٹھی' اندر سے بس کی گانٹھ۔''

KitaabPoint.blogspot.com

''مزرا صاحب' یاں رہنے کا ایک فائدہ تو ہے مشاعرے یاں پہ بہت ہوتے ہیں۔ آج آپ چل رہے ہیں نا۔''

''نہیں میاں۔''

''کیوں قبلہ۔''

''میاں استاد سائل دہلوی اور استاد بیخود دہلوی تک مشاعروں میں رونق تھی۔ ان کے اٹھ جانے کے بعد اب مشاعروں میں کیا رہ گیا ہے۔ یہ تمہارے نئے شاعر کیا اول جلول بکتے ہیں' ہماری سمجھ میں تو آتا نہیں۔''

مجو بھائی نے شاید مشاعرے کا ذکر جان کر چھیڑا تھا۔ وہاں سے اٹھنے کے لئے کوئی بہانہ تو پیدا کرنا تھا۔ وہاں سے نکل کر چلے ہم رفیق صاحب کی طرف۔ اصل میں مزرا صاحب تو رستے میں پڑتے تھے اس لئے مجو بھائی نے کہ سیدھی راہ چلنے کے کبھی قایل نہ ہوئے۔ سوچا کہ یاں بھی جھانکتے چلو۔ ویسے ان کا پروگرام یہ تھا کہ پہلے رفیق صاحب سے ملاقات کی جائے۔ تھوڑی گپ بازی ہو اور پھر انہیں لے کر مشاعرے میں جایا جائے۔ رفیق صاحب ہمیں دیکھ کر کھل اٹھے۔

''یار' تم لوگ زندہ ہو۔'' رفیق صاحب ہم دونوں کو دیکھ کر کتنے خوش ہوئے۔ ''تمہارے علاقے سے تو بہت تشویش ناک خبریں آ رہی تھیں۔ سنا ہے کہ بہت گولی چلی ہے۔''

''گولی کم چلی ہے ٹائر زیادہ جلے۔'' مجو بھائی بولے۔ ''ویسے جتنی بھی گولی چلی ہو۔ تمہارے علاقے سے تو کم ہی چلی ہے۔''

''ہمارے علاقے سے تم لوگ کیا کھا کے مقابلہ کرو گے۔ اس نے تو ریکارڈ قائم کیا ہے۔''

''بھئی ہمارا تو یہ روزمرہ ہے۔ ہمیں اس بیچ زندہ رہنے کا سلیقہ آتا ہے۔ تو ہماری بات مت کرو۔ خیر یہ بتاؤ کہ آج ادھر رود مسعود کس خوشی میں ہوا۔''

''یار کیا بتائیں۔'' مجو بھائی نے بیزاری سے کہا ''کافی ہاؤس کے زمانے کو میں فراموش کر چکا ہوں۔ مگر وہ زمانہ اپنا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ اس زمانے میں کچھ لمڈے ہوا کرتے تھے جو شاعری کی ٹانگ توڑتے رہتے تھے۔ ہم نے اس وقت سوچا کہ چلو داد کے دو لفظ کہہ دینے میں کیا بگڑتا ہے۔ مگر کیا زمانہ آیا ہے کہ اب وہ شہر میں معتبر شاعر سمجھے جاتے ہیں۔ آج یہاں ان کے چیلے چانٹوں کی طرف سے کوئی مشاعرہ وشاعرہ ہے۔ اتنا اصرار کیا تو ہم نے سوچا کہ چلو جھانک آئیں۔ لگے ہاتھوں رفیق صاحب سے بھی مل لیں گے۔ اس وقت جواد کی گاڑی بھی میسر تھی۔''

رفیق صاحب نے قہقہہ لگایا ''تو مشاعرہ آپ کو یہاں کھینچ لایا ہے۔'' رکے۔ پھر بولے ''مجو بھائی' میری اور آپ کی تو مجبوری

KitaabPoint.blogspot.com

ہے۔ یہ لوگ آپ کے گزرے وقتوں کے چیلے چانٹے ہیں۔ میرا محلہ داری کا معاملہ ہے۔ مجھے اس لئے جانا پڑے گا۔ مگر بیچارے جواد صاحب نے کیا قصور کیا ہے۔ انہیں آپ کس جرم کی سزا دے رہے ہیں۔'' اور فوراً ہی مجھ سے مخاطب ہوئے ''جواد صاحب' یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔ آپ مشاعرہ سنیں گے۔''

''کوئی لازم نہیں ہے۔'' میں نے کہا ''مقصود تو مجو بھائی کو ان کی منزل تک پہنچانا تھا اور پھر آپ سے بھی تو ملنے کو جی چاہ رہا تھا۔''

''خوب۔ گویا ایک پنتھ دو کاج۔''

''یار رفیق صاحب۔'' مجو بھائی بولے ''جواد کو کچھ سمجھاؤ۔''

''کیوں' کیا ہوا۔''

''مجھے اس شخص نے پریشان کر رکھا ہے۔ ہر پھر کر وہی ایک سوال' مجو بھائی' اس شہر میں کیا ہو رہا ہے۔''

رفیق صاحب نے ایک قہقہہ لگا ''خوب۔ مگر یہ بھی تو پتہ چلنا چاہئے کہ آپ نے کیا جواب دیا۔''

''میرے پاس تو ایک ہی جواب ہے کہ پیارے سوچنا چھوڑ دو' یا پھر یہ شہر چھوڑ دو۔''

رفیق صاحب نے پھر ایک قہقہہ لگایا۔ پھر بولے ''کوئی ضرورت نہیں ہے شہر چھوڑنے کی۔ اس شہر میں رہنے کے لئے بس تھوڑے سے سلیقہ کی ضرورت ہے۔ وہ سلیقہ اگر آپ میں ہے تو پھر آپ کے لئے کوئی جوکھوں نہیں ہے۔''

''مثلاً میں نے اپنی بیگم سے کہہ رکھا ہے۔ آپ کو پتہ ہے کہ ہم دونوں جب ساتھ نکلتے ہیں تو کار بیگم ہی چلاتی ہیں۔ تو میں نے بیگم صاحبہ سے کہہ رکھا ہے کہ جب کوئی کلاشنکوف والا گاڑی روکنے کو کہے تو فوراً گاڑی روکو اور قبل اس کے کہ وہ کوئی اور بات کرے گاڑی کی چابیاں اس کے حوالے کر دو۔ ادھر میں ذہنی طور پر تیار رہتا ہوں کہ ادھر گاڑی کی چابیاں اس کے حوالے کی جائیں ادھر میں اپنا پرس جیب سے نکال کر اس کو نذر کر دوں۔''

مجو بھائی ہنسے ''سبحان اللہ زندہ رہنے کا کیا نسخہ دریافت کیا ہے۔''

''ہنسنے کی بات نہیں ہے مجو بھائی' بتائیے اس کے بعد وہ کوئی بات کرنے جوگا رہے گا اور میں اس طریقہ کو آزما چکا ہوں۔''

''اچھا۔ واقعی؟''

واقعی۔ یہ ابھی پچھلے ہی مہینے کی تو بات ہے۔ دو مسٹنڈے آن نازل ہوئے۔ ہماری بیگم صاحبہ تو حواس باختہ ہو گئیں۔ میں نے کہا

KitaabPoint.blogspot.com

کوئی بات نہیں۔ چابیاں دے دو۔ چابیاں ان کے حوالے کیں۔ اور فوراً ہی میں نے اپنا پرس جیب سے نکال کر ان کو پکڑا دیا۔ پرس انہوں نے لینے کو تو لے لیا۔ مگر پھر دوسرے نے جو ٹولی کا سرغنہ لگتا تھا پوچھا۔ ٹیکسی کا کرایہ جیب میں ہے۔ میں نے کہا کہ برادر عزیز' کوئی بات نہیں۔ ہم پیدل چلے جائیں گے۔ وہ بولا' نہیں پیدل کیسے جاؤ گے۔ اور پرس لینے والے کو ہدایت کی' جوان کے حساب میں سے پچاس روپے انہیں دے دو۔ اس جوان نے پرس سے ایک پچاس کا نوٹ نکال کر پھرتی سے مجھے پکڑایا اور گاڑی میں بیٹھ کر یہ جا وہ جا۔ شرافت میں نے برتی تھی۔ انہوں نے بھی شرافت برتی۔ پچاس روپے دے دیئے کہ ہم پیدل چلنے کی زحمت سے بچ جائیں۔ ان میں سے بھی دس بچ گئے۔'' ''خوب۔'' مجو بھائی بولے۔

''اپنی بھابی کو دیکھو۔ پوچھتی ہیں کہ تھے کون لوگ یہ۔ رپورٹ درج کراؤ۔ میں نے کہا بیگم جانے دو۔ ان باتوں میں کیا رکھا ہے۔ اور مت پوچھو کہ کون لوگ تھے۔ مجھے تو لکھنو کے بانکے لگ رہے تھے۔ بس وہ ہتھے سے اکھڑ گئیں۔ میں نے کہا کہ ارے یہ تو گھر ہی میں اتھنک فساد برپا ہو گیا۔ فوراً اپنا بیان واپس لے لیا۔''

مجو بھائی نے اب کسی قدر سنجیدگی سے کہا'' رفیق صاحب' مجھے آپ سے اتفاق ہے۔ آخر ہم اس صورت حال میں اور کیا کر سکتے ہیں۔ سمجھداری اسی میں ہے کہ اکڑی ہوئی گردن جھکا لو اور چوں و چرا کے بغیر جو آپ کے پاس ہے اسے حوالے کر کے اپنے فرض سے سبکدوش ہو جاؤ۔ آگے ان کی مرضی ہے۔ اگر کسی گولی پر واقعی آپ کا نام لکھا ہوا ہے تو پھر اس سے تو مفر نہیں ہے۔ کیا سمجھے میاں جواد' یہ ہے اس شہر میں جینے کا فلسفہ۔''

''جی سمجھ رہا ہوں۔'' میں نے کسی قدر بے مزہ ہو کر کہا۔

''نہیں جواد صاحب' آپ نہیں سمجھ رہے۔'' رفیق صاحب کا لہجہ اچانک سنجیدہ ہو گیا۔'' ہماری بیگم صاحبہ کا بھی یہی خیال ہے۔ میں انہیں سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں اور وہ نہیں سمجھتیں۔ آخر ایک دن زچ ہو کر میں نے ان سے صاف صاف کہہ دیا کہ بیگم حضرت یہ آپ کا لکھنو نہیں ہے۔ یہ کراچی ہے کراچی چڑ کر کہنے لگیں کہ کراچی ہے تو ہم کیا کریں۔ میں نے کہا کہ وہی کرو جو آپ کا محاورہ کہتا ہے کہ جیسا دیس ویسا بھیس۔''

رفیق صاحب جاری تھے کہ بیگم رفیق گھبرائی ہوئی آئیں۔'' کیا بیٹھے باتیں ملکا رہے ہو۔ کچھ بسنت کی بھی خبر ہے۔ باہر پھر وہ کمبخت ماری گولیاں چلنی شروع ہو گئی ہیں۔''

''یہ کوئی نئی خبر لائی ہو۔ یہ تو یہاں کا روزمرہ ہے۔ میں سمجھا کہ کوئی نئی پریشانی آن ٹوٹی۔''

KitaabPoint.blogspot.com

''ہاں ہمارے لئے تو یہ نئی بات نہیں ہے۔ ہم تو جہنم میں رہتے ہیں۔ ہمارے مقدر میں تو یہی لکھا ہے۔ مگر یہ جو ہمارے دو شریف مہمان آئے بیٹھے ہیں میں ان کے خیال سے پریشان ہو رہی ہوں۔''

''بیگم۔ تم سمجھ رہی ہو کہ یہ کہیں جنت سے آ رہے ہیں۔ یہ بھی جہنم ہی سے چل کر آ رہے ہیں۔ اتنا ہی تو فرق پڑا ہے کہ اپنے جہنم کو چھوڑ کر ہمارے جہنم میں آج انہوں نے قدم رنجہ فرمایا ہے۔''

''وہ تو ٹھیک ہے۔ مگر بیچارے اگر یہاں پھنس گئے تو پھر کیا ہوگا؟''

''کوئی فکر کی بات نہیں ہے۔ تمہیں صرف چائے سے تواضع کرنی ہے۔ کھانے کا اہتمام مشاعرے والوں نے کر رکھا ہے۔''

''مشاعرہ؟'' بیگم رفیق نے کچھ تعجب کچھ غصے سے کہا ''یہ کون بخت مارے ہیں۔ گولیوں کی اس بوچھاڑ میں مشاعرہ کریں گے۔''

رفیق صاحب اپنی طرف سے یہ ظاہر کر رہے تھے کہ اس واقعہ سے وہ بالکل پریشان نہیں ہیں اور یہ کہ مہمانوں کو بھی پریشان ہونے کی مطلق ضرورت نہیں ہے۔ مگر میں اپنی پریشانی کو نہیں چھپا پا رہا تھا۔ میں تو اصل میں سوچ کر گھر سے نکلا تھا کہ مجو بھائی کو وہاں اتار دوں گا' رفیق صاحب سے تھوڑی گپ شپ کروں گا اور مشاعرے سے پہلے پہلے کھسک لوں گا۔ اب مجھے لگ رہا تھا کہ میں تو پھنس گیا۔ رفیق صاحب نے میری پریشانی کو تاڑ لیا۔ بولے ''ارے جواد صاحب' آپ خواہ مخواہ پریشان ہو رہے ہیں۔ یہ تو یہاں کا روٹین ہے۔ دو ہی اس کوچے کے جوانوں کے مشغلے ہیں' فائرنگ اور مشاعرہ۔ اور آج وہ لمبی فائرنگ کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ آخر انہیں مشاعرے میں بھی تو جانا ہے۔''

''بھئی کمال ہے رفیق صاحب آپ کا۔'' مجو بھائی بولے۔ ''دو آگوں کے درمیان کس اطمینان سے رہ رہے ہیں آپ۔''

رفیق صاحب ہنسے اور بولے ''ویسے یہ دوسری آگ جس کا نام شعرائے کرام ہے' زیادہ ظالم ہے۔ مجو بھائی' آپ یقین کیجئے' کسی کل چین نہیں لینے دیتے۔ مشاعرے کو طرح دے بھی جاؤں تو پھر آتے جاتے گھیرتے ہیں۔ جان ضیق میں ہے۔ محلہ میں جس پر جو نئی غزل وارد ہوتی ہے اس کا وبال مجھ پر پڑتا ہے۔ اور میری مجبوری دیکھئے کہ ہر غزل کے ہر شعر پر داد دینی پڑتی ہے۔''

''یار' تم واقعی نرغے میں ہو۔'' مجو بھائی نے ہمدردی جتاتے ہوئے کہا۔

رفیق صاحب نے لمبا قہقہہ لگایا۔ بولے ''مجو بھائی تم اپنے حساب سے کہہ رہے ہو کہ نرغے میں ہوں۔ ہمارے لاہوری عزیز نے اپنے حساب سے کہا تھا کہ پاجی' تم نرغے میں ہو۔ یاں سے نکلو۔ بیگم صاحبہ یہی بات اپنے حساب سے کہتی ہیں۔ میں نے بیگم

KitaabPoint.blogspot.com

صاحبہ سے کہا کہ بیگم حضرت، تم تو لکھنو والی ہو۔ تمہیں یہ گل و بلبل والی شاعری کیا گزند پہنچا سکتی ہے۔ میرے دل سے پوچھو کہ مجھ پر کیا گزرتی ہے۔ مگر جاؤں کہاں۔ بولیں اتنا بڑا شہر پڑا ہے۔ کرائے ہی پر رہنا ہے تو کہیں بھی جا کر رہ سکتے ہیں۔ اور گلشن میں تو تمہارے دوست اچھا بھلا فلیٹ دلوا رہے تھے۔ میں نے کہا، مگر اس کی کیا ضمانت ہے کہ جہاں ہم جا کر رہیں گے وہاں یہاں سے زیادہ شاعر نہیں ہوں گے اور زیادہ بری غزلوں پر داد نہیں دینی پڑے گی۔"

"ٹھیک کہتے ہو۔" مجو بھائی بولے "اس شہر میں کسی بھی علاقہ کے بارے میں کوئی یہ ضمانت تو نہیں دے سکتا۔"

"مجو بھائی میں واقعی نرغے میں ہوں۔ آپ کو پتہ ہے کہ ہماری اس گلی میں کتنے شاعر ہیں۔ بس سمجھ لو کہ آپ جن دکانوں سے گزرے ہیں ان میں سے ہر دکاندار اور ہر اس کا گاہک شاعر ہے اور آمد کا اتنا زور ہے کہ سودا تولتے تولتے غزل ہو جاتی ہے۔ میں چھپ کر گلی سے نکلتا ہوں۔ پھر بھی گلی سے نکلتے نکلتے دس بارہ غزلیں زہر مار کر لیتا ہوں۔ ادھر گھر سے قدم باہر نکالا اور ادھر کسی شاعر نے آن دبوچا۔ اس کے چنگل سے نکلے تو کسی اگلے نے آن گھیرا۔ بس جیسے تاک میں بیٹھے ہوں۔"

"مگر باہر نکلنا کیا ضروری ہے۔ تمہیں کونسا نوکری پہ جانا ہوتا ہے۔"

"یہ کر کے بھی دیکھ لیا۔ گھر پہ آن دھمکتے ہیں۔ رفیق بھائی، کئی دنوں سے آپ کے دیدار نہیں ہوئے۔ دشمنوں کی طبیعت تو ناساز نہیں ہے۔ اور اس کے فوراً بعد نئی غزل کا مژدہ۔ مجو بھائی قطار لگ جاتی ہے۔ کوئی نگینوی، کوئی پیلی بھیتی، کوئی کسمنڈوی، کوئی خورجوی، کس کس نگر کا شاعر اس کوچے میں جمع ہے۔ سب ہی کو سننا پڑتا ہے محلہ داری کا معاملہ جو ہوا۔"

"اماں ہمارے بھائی بندوں کے بیچ رہو گے تو یہ قیمت تو ادا کرنی پڑے گی۔"

"ویسے میں نے ایسا علاقہ تلاش کر لیا تھا جہاں تمہارے بھائی لوگ کم ہوں۔ اچھا مکان تھا۔ آس پاس سب لاہوریئے تھے۔ مگر ان کے ساتھ دوسری مصیبت تھی۔ اس کوچے میں ہر لاہوریا میراجی بنا بیٹھا تھا۔ میرے ساتھ وہ مضمون ہونا تھا کہ آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا۔ میں نے سوچا میراجی کے چیلوں سے تو حضرت داغ کی امت ہی غنیمت ہے۔ کم از کم زبان کا چٹخارہ تو ہے۔ اور سمجھ میں تو آتا ہے کہ کیا مضمون باندھا گیا ہے۔"

"بھائی بات یہ ہے۔" مجو بھائی بولے "بھیڑ جہاں جائے گی مونڈی جائے گی۔ تم ہو شریف آدمی، سو بھائی صبر کرو۔"

"ارے صاحب، میں نے تو صبر کر لیا ہے۔ مگر یار لوگ مجھے احساس دلاتے رہتے ہیں۔ ایک کرمفرما کی سنو۔ انہوں نے اس علاقے کی دوسری ہی خرابی ہم پر جتائی۔ کہنے لگے، رفیق صاحب مجھے سن گن ملی ہے کہ آپ کے پچھواڑے میں کوئی عقوبت خانہ ہے۔

KitaabPoint.blogspot.com

میں چپ رہا۔ بولے آپ نے جواب نہیں دیا۔ میں نے کہا کہ جواب کیا دیتا۔ ارے صاحب' پچھواڑے میں عقوبت خانہ نہ ہوتا تو قحبہ خانہ ہوتا۔ قحبہ خانہ نہ ہوتا تو تھانہ ہوتا۔ بہر حال کچھ نہ کچھ تو ہوتا۔ کہنے لگے' مگر ہمسائیگی میں عقوبت خانے کا ہونا تو بہت خطرناک بات ہے اور تکلیف دہ بھی۔ اذیت بھری چیخیں جو سنائی دیتی ہوں گی وہ آپ کو پریشان نہیں کرتیں۔ میں نے کہا کہ میرے بھائی' سیاسی نعروں کے شور سے زیادہ اذیت ناک تو کوئی شور نہیں ہوتا۔ ہم نے جب اس شور کو سہنا سیکھ لیا تو عقوبت خانے سے آتی چیخیں کیا معنی رکھتی ہیں۔"

مجھے بے چینی ہو رہی تھی کہ رفیق صاحب واضح طور پر کچھ نہیں بتا رہے۔ دلگی میں بات گول کر رہے ہیں۔ آخر میں نے پوچھ ہی لیا۔ "رفیق صاحب' کیا واقعی آپ کے پچھواڑے کوئی عقوبت خانہ ہے۔"

رفیق صاحب نے ٹھنڈا سانس بھرا۔ "جواد صاحب' ہم آپ اتنے بڑے عقوبت خانے میں سانس لے رہے ہیں۔ اب اڑوس پڑوس میں کوئی چھوٹا موٹا عقوبت خانہ ہے بھی تو اس کی کتنی اہمیت ہو سکتی ہے۔ تو چھوڑیے اس بات کو۔"

اتنے میں لڑکا چائے کی ٹرولی لے کر آ گیا۔ رفیق صاحب نے ٹرولی اپنی طرف سرکائی اور چائے بناتے ہوئے لڑکے سے مخاطب ہوئے "ابے دینا' فائرنگ بند ہوئی یا نہیں۔"

"پتہ نہیں جی۔" پھر جاتے جاتے بولا "دیکھ آؤں جی۔"

"ہاں دیکھ کے آ اور مجھے بتا۔"

دینا میں جیسے نئی حرارت پیدا ہو گئی ہو۔ کس پھرتی سے دروازے کی طرف لپکا اور باہر نکل گیا۔

چائے پیتے پیتے میں نے پھر زبان کھولی "رفیق صاحب' ایک بات پوچھوں۔"

"پوچھو۔"

"بہت ذاتی سا سوال ہے۔"

"کوئی مضائقہ نہیں۔"

"دیکھیں نا یہ سنگر شہر میری اور مجو بھائی کی تو مجبوری ہے۔ مگر آپ کا تو لاہور میں جدی ٹھکانہ موجود ہے۔ تو آپ کی کیا مجبوری ہے۔"

"بھائی' میری مجبوری میری لکھنوی بیوی ہے۔" یہ کہہ کر ہنسے۔

KitaabPoint.blogspot.com

''ٹھیک کہا۔'' مجو بھائی نے ٹکڑا لگایا۔ ''دنیا میں بیوی سے بڑی کونسی مجبوری ہو سکتی ہے۔''

رفیق صاحب نے کس خوبصورتی سے سوال کو ٹالا اور پھر کس اطمینان سے چائے پینے لگے۔

تھوڑی دیر میں دینا بھی واپس آن پہنچا۔

''ہاں کیا خبر لایا۔''

''بند ہو گئی جی۔ ویسے جی بہت بجی۔ دھے فائر پہ فائر۔''

''کتنے مرے؟''

''پانچ مرے جی۔''

''اچھا صرف پانچ۔ گولیاں تو اتنی چلی تھیں۔ یہ لوگ گولیاں بہت ضائع کرتے ہیں۔ بہر حال مجو بھائی' آپ کو اطلاع کے لئے عرض ہے کہ اب مطلع صاف ہے۔''

''جواد کو سناؤ۔ جواد سن رہے ہو' مطلع اب صاف ہے۔''

''مگر کتنی دیر کے لئے۔'' بیساختہ میرے منہ سے نکلا۔

رفیق صاحب ہنسے ''اچھا کہا۔''

مجو بھائی بولے ''ویسے یہ بھی تو پتہ کراؤ کہ مشاعرہ کتنی دیر میں شروع ہو رہا ہے۔''

مشاعرے کے حوالے نے مجھے تھوڑا بے چین کیا۔ آخر میں نے زبان کھولی ''دیکھئے صاحب' مشاعرہ آپ دونوں کی تو مجبوری ہے۔ رفیق صاحب کا محلہ داری کا معاملہ ہے۔ گولیوں کا مینہ برسے' یا بم پھٹے انہیں بہر حال مشاعرے میں جانا ہے۔ اور مجو بھائی کا معاملہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے کافی ہاؤس کے زمانے میں شاعری کا طوطا پالا تھا۔ کمبل کو وہ بیشک چھوڑ دیں مگر کمبل انہیں نہیں چھوڑے گا۔ مگر میری تو کوئی مجبوری نہیں ہے۔''

''میاں تمہاری بھی ایک مجبوری ہے۔'' مجو بھائی بولے ''اور وہ یہ ہے کہ اس وقت تم اس کوچے سے سلامت نہیں نکل سکتے۔ غزل یا گولی۔ انتخاب تمہارے ہاتھ میں ہے۔''

''مشاعرے میں غزلیں سننے سے گولی کھانا بہر حال بہتر ہے۔''

''میاں سوچ لو۔''

KitaabPoint.blogspot.com

''سوچ لیا ہے۔''

''پھر اللہ کے حوالے۔''

''مگر پھر آپ واپس کیسے جائیں گے۔''

''اس کی فکر مت کرو۔ اسی کافی ہاؤس والے کراؤڈ سے کسی نہ کسی کو یہ فریضہ انجام دینا ہوگا۔ اور آخر ہم داد دیں گے تو اس کی قیمت بھی تو وصول کریں گے۔''

میں اٹھنے لگا تو رفیق صاحب بھی مجھے رخصت کرنے کے لئے کھڑے ہو گئے۔ کہنے لگے ''جواد صاحب' مجو بھائی ٹھیک کہتے ہیں۔ آپ اس بارے میں زیادہ سوچا وو چانہ کریں۔ دیکھئے ہمارے سوچنے پریشان ہونے سے فرق کیا پڑے گا۔ ہمارے اختیار میں ہے کیا۔''

اتنے میں بیگم رفیق بھی آ گئیں۔ تعجب سے مجھے دیکھا ''ارے آپ جا رہے ہیں۔''

''جی۔''

''خدا کا خوف کریں۔ کیوں اپنی جان کے دشمن ہو رہے ہیں۔''

''فائرنگ بند ہو گئی ہے۔''

''ارے ان کمبختوں کا کوئی اعتبار ہے۔''

''بھابی' اعتبار تو اس زمانے میں کسی کا بھی نہیں ہے۔ مگر کاروبار حیات کو اس باعث معطل تو نہیں کیا جا سکتا۔''

''تو کیا جانا بہت ضروری ہے۔''

''جی ہاں' کچھ ایسی ہی بات ہے۔''

''اچھا تو پھر ذرا چوکنے رہئے۔ اور دیکھئے گھر پہنچتے ہی ہمیں خیریت کا فون کر دیجئے۔''

''ہاں۔'' رفیق صاحب نے تائیدی لہجہ میں کہا ''فون ضرور کر دیجئے۔ ویسے تو انشاء اللہ خیریت ہی رہے گی۔''

رفیق صاحب اور ساتھ میں مجو بھائی بھی مجھے رخصت کرنے دروازے تک آئے جہاں سامنے ہی گاڑی کھڑی تھی اور جمال دین اندر سکڑا سہا بیٹھا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے جھرجھری لی اور مستعد ہو کر بیٹھ گیا۔ مگر دروازے سے باہر قدم رکھتے ہی مجھے ایک ڈراؤنے سناٹے کا احساس ہوا۔ جیسے اب یہ وہ گلی نہ ہو وہ شاد آباد گلی جو ہمارے آتے وقت تھی۔ اس وقت یہاں کتنی چہل پہل تھی۔

KitaabPoint.blogspot.com

آتی جاتی سواریوں کا شور۔ دکانوں کے تھڑوں پر بیٹھی ہوئی ٹولیوں کے قہقہے' آوازے' گزرتے لوگوں کی گہما گہمی۔ گاہکوں دکانداروں کا مول تول بھاؤ تاؤ۔ اب کچھ بھی نہیں تھا۔ دکانیں بند' راہگیر غائب' جیسے یہ رات کا پچھلا پہر ہو۔ دور ایک دکان ضرور کھلی نظر آ رہی تھی۔ میرا ماتھا ٹھنکا کہ معاملہ خراب ہے۔ مگر میں جانے کی نیت سے باہر نکل آیا تھا اور اندر کے خوف کو ظاہر کرنے میں مجھے اپنی ہیٹی نظر آتی۔ خیر مجھے کچھ کہنے کی ضرورت بھی کیا تھی۔ یہ نقشہ آخر رفیق صاحب اور مجو بھائی کے سامنے بھی تو تھا۔

''یار۔'' مجو بھائی نے تشویش سے کہا ''رفیق صاحب' تمہاری گلی آج اتنی جلدی سو گئی۔''

''ہاں یہی میں دیکھ رہا ہوں۔ میرے خیال میں فائرنگ کے ہنگامہ میں دکانداروں نے دکانیں بند کر دیں۔ اور رات کو دکان بند کر کے جو گھر چلا جائے وہ واپس کیوں آئے گا۔''

''استاد' آثار اچھے نظر نہیں آ رہے۔'' اور پھر فوراً ہی مجھ سے مخاطب ہوئے ''جواد' میرے خیال میں ٹھہر جاؤ۔ مشاعرے کے بعد اکٹھے ہی چلیں گے۔ اور بھی ساتھ جانے والے ہوں گے۔ اس وقت اکیلے جانا مناسب نہیں۔''

''کمال ہے مجو بھائی' آپ تو اکیلے جانے سے ایسے منع کر رہے ہیں جیسے میں کوئی بچہ ہوں۔'' میں نے حوصلہ دکھاتے ہوئے کہا۔

''ویسے جواد صاحب'' رفیق صاحب نے ٹکڑا لگایا۔ ''کبھی کبھار اگر مشاعرے کا ذائقہ چکھ لیا جائے تو مضائقہ کیا ہے۔ مشاعرے کی بھی آخر اپنی ایک افادیت ہے ہی بالخصوص اس زمانے میں جس سے ہم گزر رہے ہیں۔''

''اچھا؟ وہ کیا افادیت ہے۔ ذرا سمجھائیے تو سہی۔''

''اس وقت جو حالات ہیں ان کا اگر ہمارے پاس کوئی توڑ ہے تو بس مشاعرہ ہے۔ جس نکتہ کو یاران دمشق نہیں پا سکے تھے اسے اپنے کراچی والوں نے پا لیا ہے۔''

''سبحان اللہ'' میرے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

''رفیق صاحب کسے سمجھا رہے ہو۔'' مجو بھائی بولے ''یہ شخص مشاعرے سے بلکہ شاعری ہی سے ایسے بدکتا ہے جیسے گائے قصائی سے بدکتی ہے۔''

''مہاجروں میں یہ اپنی قسم کی واحد مثال ہیں۔'' رفیق صاحب نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

''تمہیں دو ایسے مہاجروں کی تلاش تھی نا۔ ایک تو ہم نے فراہم کر دیا۔''

''دوسرا کہاں سے لاؤں۔''

KitaabPoint.blogspot.com

''دوسرا بھی مل جائے گا۔ جوئندہ یابندہ۔''

''میں نے جلدی سے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے کہا'' اچھا میں چلا۔''

''ہاں بھئی گھر پہنچ کے فون کر دینا۔'' یہ کہتے کہتے رفیق صاحب جمال دین سے مخاطب ہوئے۔''ڈرائیور صاحب' ذرا ہوشیاری سے یہاں سے گزرنا۔ اور ہاں شیشے چڑھالیں۔''

''آپ فکر نہ کریں جی۔'' یہ کہتے کہتے جمال دین نے گاڑی سٹارٹ کی اور تیزی سے اس گلی سے نکلا۔

مگر وہ ایک گلی تھوڑا ہی تھی۔ گلیوں کا ایک پورا جال تھا۔ ویسے یہ بھی احساس مجھے اس وقت ہوا تھا' ورنہ ہمیشہ میں نے رفیق صاحب کے گھر کو ایسے تصور کیا تھا کہ مین روڈ پر پڑے پٹرول پمپ کے سامنے جا کر دائیں کو مڑیں گے' پھر ایک موڑ چھوڑ کر دوسرے موڑ پر بائیں کو مڑ جائیں گے۔ اس کے بعد پھر بائیں کو اور تھوڑا چل کر دائیں کو۔ لیجئے رفیق صاحب کا گھر آ گیا۔ مگر اس وقت یہ احساس ہو رہا تھا کہ یہ چند گلیاں نہیں' گلیوں کا ایک پورا جال ہے۔ اور جیسے گاڑی جال کے اندر پھنس گئی ہو اور ایک گلی سے دوسری میں' دوسری سے تیسری میں' پھر گلی اور پھر گلی کوئی کوئی دکان کھلی ہوئی۔ اس حساب سے وہاں کچھ زیادہ روشنی اور ساتھ ہی آدمی کی صورت دکھائی دیتی۔ دکاندار اکیلا بیٹھا ہوا یا کسی کسی پر اکا دکا گاہک' مگر جیسے ڈرتے ہوئے ہوں۔ دبی دبی آوازوں میں بولتے ہوئے۔

''جمال دین' گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اطمینان سے چلاؤ۔'' گاڑی کی تیز رفتاری نے مجھے بولنے کا موقعہ فراہم کر دیا تھا۔ اس وقت یہی سمجھ میں آیا کہ اپنے خوف پر بول کر قابو پایا جا سکتا ہے۔

''نہیں جی' گھبرانے کی کیا بات ہے۔'' رک کر بولا'' صاحب جی' مجھے تو روز ہی ایسے گزرنا پڑتا ہے۔ ایسے گھبرانے لگوں تو کر چکا ڈرائیوری۔''

''ظاہر ہے تمہیں تو اپنی ڈیوٹی انجام دینی ہوتی ہے حالات جیسے بھی ہوں۔ ان علاقوں سے بھی گزرنا ہوتا ہے جہاں آئے دن گولیاں چلتی ہیں۔ ڈرائیوری بھی اس زمانے میں خطرناک کام بن گیا ہے۔''

''صاحب جی' موت اور زندگی تو اوپر والے کے ہاتھ میں ہے۔ پھر آدمی فکر کیوں کرے۔'' اور جمال دین نے گاڑی کی رفتار اور تیز کر دی۔

میں اگلے دن دفتر قدرے دیر سے پہنچا۔ رفیق صاحب پہلے سے آئے بیٹھے تھے۔ میں حیران کہ رفیق صاحب کس خوشی میں صبح ہی صبح آن پہنچے۔ فوراً ہی خیال آیا کہ بینک کا کوئی کام ہوگا۔ مجھے دیکھ کر کھلکھلا کر ہنسے۔''آپ زندہ ہیں؟ شکر ہے۔ آپ تو دفتر بروقت

KitaabPoint.blogspot.com

پہنچنے والوں میں سے ہیں یہاں آیا اور آپ کو نہ دیکھا تو مجھے واقعی فکر ہو گئی تھی۔"

"ہاں' آج نکلتے نکلتے دیر ہو گئی۔ آپ دیر سے آئے بیٹھے ہیں؟ معافی چاہتا ہوں۔"

"نہیں زیادہ دیر تو نہیں ہوئی۔ تشویش اس پر تھی کہ حضرت کہاں رہ گئے۔ خیر۔ شکر ہے۔"

"شکر تو بندے کو ہر حال میں کرنا چاہئے۔ مگر مجھے اس وقت شکر کی وجہ سمجھ میں نہیں آ رہی۔"

"آپ کو زندہ دیکھ کر خوش ہو رہا ہوں اور اللہ کا شکر ادا کر رہا ہوں۔" رفیق صاحب پھر کھلکھلا کر ہنسے۔

"گویا آپ نے یہ طے کر لیا تھا کہ میں سدھار گیا۔ مگر سدھارنے کے لئے کوئی بہانہ بھی تو ہونا چاہئے۔ میرے پاس کونسا بہانہ تھا۔"

"بھائی' ہمارے علاقے میں آ کر جو شخص اپنی زندگی سلامت لے کر واپس چلا جائے وہ بہت خوش قسمت آدمی سمجھا جاتا ہے تو آپ خوش قسمت آدمی ہیں۔"

"خوب۔"

"بس مٹھائی منگوالیں۔ اچھا چھوڑیں صرف چائے منگوالیں۔"

میں نے فوراً ہی چپراسی کو بلا کر چائے لانے کے لئے کہا۔ پھر اس نیت سے کہ رفیق صاحب اس موضوع سے کسی طور ہٹیں ان سے پوچھا "رفیق صاحب' آپ تو سویرے گھر سے نکلا نہیں کرتے۔ اور کیوں نکلیں' آپ کو کونسا دفتر جانا ہوتا ہے۔ آج کس خوشی میں سویرے سویرے گھر سے نکلے' اگرچہ مجھے خوش ہونا چاہئے کہ آپ نے مجھے نوازا ہے۔"

"ارے بھائی' آپ کی خیریت معلوم کرنے آیا تھا۔"

"واقعی؟"

"لیجئے' ہمارے خلوص کا آپ کو یقین نہیں آ رہا۔" پھر لہجہ بدلا۔ کسی قدر سنجیدہ لہجہ میں کہنے لگے "جواد صاحب' میں واقعی آپ سے شرمندہ ہوں۔ "معافی مانگنے آیا تھا۔"

"کس بات پر؟" میں نے حیران ہو کر رفیق صاحب کو دیکھا۔"

"بات یہ ہے کہ آپ کے جانے کے بعد میری بیگم نے میری بہت خبر لی۔ کہتی تھیں کہ آپ عجب آدمی ہیں اور اچھے دوست ہیں کہ دوست کو ایسے خطرے میں اکیلے جانے دیا۔ میں نے انہیں سمجھایا کہ میں نے روکا تو تھا۔ مگر جواد صاحب کو مشاعرہ زیادہ بڑا خطرہ